خلفائے راشدین

www.shiacult.tk
www.shiacult.webnode.com
www.gift2shias.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلفائے راشدین کا انتخاب

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ الطاہرین وخلفائہ راشدین۔

اس سے پہلے کہ ''خلفائے راشدین'' کے حالات پڑھے جائیں ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ کا مفہوم ومنشا سمجھ لیا جائے، خلافت کے لغوی معنی ''جانشینی'' اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے کے ہیں۔ یہ لفظ خود اپنے مفہوم ومنشا کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ، ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے۔ اسی کو ''امام'' کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے پیش رو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانے کے پیرووں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے۔ اس بناء پر درحقیقت خلافت وامامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے۔

صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں پیغمبر اور انبیاء سیاست کرتے تھے، جب ایک پیغمبر مرتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا، لیکن پیغمبری اب ختم ہوگئی، تم میں خلفاء ہوں گے''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت، پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے۔ اسی لئے ان امور میں جن میں نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو، اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو''۔ اسی لئے ایک پیغمبر کے انتخاب کیلئے ظاہری حیثیت سے اس کی سیاسی وانتظامی استعداد وصلاحیت کو دیکھا جائے، اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیرائی اور اس کے روحانی وعلمی واخلاقی فضائل ومناقب کی تلاش کرنی چاہئے۔ ان چار بزرگوں کا درجہ اس منصب اعظم کے لئے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح وتوضیح ہے۔

اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی ودنیوی مقاصد کی تکمیل اس کے تحت میں آجاتی ہے لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جاسکتی ہے، یعنی پیغمبر کے کاموں کا قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک وصاف رکھنا اور ان کو ترقی دینا۔

یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے، یعنی "اقامت دین" لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل ہو جاتا ہے اور اقامت ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاۃ، اقامت حدود، وعظ و پند تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پاک زندگی ان ہی مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی اور آپ ﷺ کے بعد جو لوگ آپ ﷺ کے خلیفہ و جانشین ہوئے انہوں نے بھی زندگی کو ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لئے وقف کیا۔ خلفاء کے دور بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اگر چہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے الگ الگ اشخاص مقرر تھے۔ مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام مخصوص اشخاص سے متعلق تھا، برائیوں پر روک ٹوک کرنے کے لئے اور اشخاص معین تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا۔ قرآن و سنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے۔ لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے۔ اس لئے ان اشخاص کے لئے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہئے۔ لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پیغمبرانہ تعلیم و تاثر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ پیغمبر جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلمیحات کے ذریعہ ان ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے۔ زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں یہ منصب چلا گیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس کے لائق نہ تھے بلکہ ان کو صرف ظاہری طور پر تقویٰ، متدین، پاکباز، پابند ارکان اسلام اور عالم باالکتاب و السنۃ دیکھ کر امام و خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے اور ان ہی فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کاملہ کا حقیقی مستحق صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کا گروہ تھا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لئے اس کو چن لیا اور آپ ﷺ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔

پھر آپ ﷺ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دیکھے تو آپ ﷺ کے اصحابؓ کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لئے ان کو اپنا وزیر بنالیا۔ جو آپ ﷺ کے دین کی حفاظت کے لئے جنگ کرتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے خود اس گروہ میں

ایسے مخصوص قیود و اوصاف کا اضافہ کیا گیا جس سے خلافت کا مفہوم خدا اور رسول کے منشاء کے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے۔

چنانچہ قرآن وحدیث کے اشارات وتلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کے لئے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں:

(۱) خلیفہ مہاجرین اول میں سے ہو۔ صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر، تبوک میں شامل اور سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین اول کے متعلق فرماتا ہے

الَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

وہ لوگ جن کو ہم اگر زمین میں جگہ دیں گے تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں۔

شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ

محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلائے کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

جو لوگ سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے جو ان سے پہلے تھے اور ان کے اس دین کو جو ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوط کر دے گا۔

اب اس آیت میں "منکم" کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی، ورنہ اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان وعمل صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا ہے۔ بہر حال اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے اس کے ذریعہ سے دین کو استحکام حاصل ہوگا۔

شرکائے بدر اور تبوک کے فضائل میں اس قسم کی آیات واحادیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ ان میں موجود تھے۔

(۲) وہ مبشر بالجنۃ ہیں۔

(۳) وہ امت کے طبقہ علیا یعنی صدیقین، شہدا، صالحین اور محدثین میں شامل ہو اور جنت میں ان کا درجہ بلند ہو۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کا معاملہ اس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ مستحق خلافت کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے اس کے استحقاق خلافت کا ذکر کیا ہو۔ ایسے قرائن بیان فرمائے ہوں کہ جن سے فقہائے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اگر آپ ﷺ خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے جو کام نبوت سے تعلق رکھتے ہوں آپ ﷺ نے اپنے زندگی میں اس سے لئے ہوں۔

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدے کئے ہیں وہ اس کی ذات سے پورے ہوں۔

(۶) اس کا قول حجت ہو۔

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہ سے پائے جاتے تھے لیکن ان کا مجموعہ صرف خلفائے اربعہ کی ذات تھی۔

چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ تھا۔ یہ لوگ مہاجرین اولین میں سے تھے، صلح حدیبیہ میں شریک تھے، بدر، احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شریک تھے اور سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے، مبشر بالجنۃ تھے۔ امت کے طبقہ علیا سے تھے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان ہلنے لگی۔ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ "ٹھہر! تجھ پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہیں"۔

ہر ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیثیں وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت ارشاد فرمایا ''کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگے تم حوضِ کوثر پر میرے رفیق ہو اور غارِ حرا میں میرے رفیق تھے''۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ارشاد ہوا کہ ''گذشتہ امتوں میں محدثین تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے''۔ بہت سی آیتیں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصدقات تھے۔

حضرت عثمانؓ کی نسبت فرمایا کہ ''جس سے فرشتے شرماتے ہیں کہ میں اس سے نہ شرماؤں، ہر پیغمبر کے رفیق ہوجاتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہے''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی نسبت ارشاد ہوا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اس کو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی مستحق تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ رحم دل ابوبکرؓ، خدا کے بارے میں سب سے زیادہ بولنے والے عمرؓ، سب سے زیادہ حیادار عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علی ابن ابی طالب ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو ان کو دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے''۔

اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو قوی امین پاؤ گے جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف نہ کریں گے''۔ اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے''۔

ان اوصاف کے ساتھ جو کام منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان سے وہ کام لئے ہیں۔ مثلاً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنالیا ہے اور امیر الحج مقرر فرمایا ہے۔ مسلمانوں معاملہ میں ہمیشہ شیخین سے مشورے کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو بعض غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقات مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے۔ حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں سفیر کا کام لیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے بھیجا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدہ کئے تھے وہ ان کے زمانہ میں پورے ہوئے۔ مثلاً اقامتِ صلوۃ، ایتاء زکوۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تمکین و تقویت دین سے وہ وعدے پورے

ہوئے جو آیت ان مکنھم فی الارض اور وعداللہ الذین امنو امنکم میں کئے گئے تھے۔

اسلام کے مقابل میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے "لیظھرہ علی الدین کلہ" کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیۃ "مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل" کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا۔ آیۃ من آیۃ منکم میں مرتدین کی جنگ کی طرف جو اشارہ ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ ان علینا جمعہ وقرانہ میں "کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین کی طرف اشارہ ہے اس کی تکمیل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے ہوئی۔ قتال خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عاد کی طرح قتل کر ڈالتا اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی۔

امور دین میں خود رسول اللہ ﷺ کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین

تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدینؓ کی سنت کا اتباع فرض ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی تقلید کرو"۔

غرض اس قسم کے بے شمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے اربعہؓ تھے اور ان کے کارنامہ ہائے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں، اس کی تصدیق کریں گے۔

محترم قارئین دین اسلام ڈاٹ کام!........مرکزی عنوان "اصحاب رسول" کے تحت کمپوزنگ جاری ہے......

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلفائے اوّل

رسول اللہ ﷺ

نام و نسب، خاندان۔ عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ، والدہ

کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت۔ والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی۔ اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد

ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے۔ ابتداً جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے، وہ اسلام کی تحریک کو بازیچہ اطفال سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابو قحافہ موجود تھے، انھوں نے حضرت علی کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔ حضرت ابو قحافہؓ نے بڑی عمر پائی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ [1]

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ

حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صخر کو ابتدا ہی میں حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے پہلے صرف انتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے۔ یہ قلیل جماعت باعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو بانگ دہل دین مبین کی دعوت دے سکتی تھی لیکن حضرت ابوبکر کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا۔ آپؓ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کی اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی۔ کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق کو نہایت بے رحمی اور خدا ناترسی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر بنی تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آ گیا اور انھوں نے عام مشرکین

کے پنجۂ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا۔ شب کے وقت بھی حضرت ابو بکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے والد اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا پتہ دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن ارقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو راہِ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔ ؎

حضرت ام الخیر نے بھی طویل عمر پائی چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔ ؎

قبلِ اسلام

حضرت ابو بکرؓ صدیق اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی دیانت، راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا اہل مکہ انکو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے۔ ایامِ جاہلیت میں خوں بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا۔ اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ؎ حضرت ابو بکرؓ کو ایامِ جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسی زمانۂ اسلام میں بس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس اور خلوص تھا اور آپؐ کے حلقۂ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ؎

اسلام

آنحضرت ﷺ کو جب خلعت نبوت عطا ہوا اور آپؐ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمانِ راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا بعض اربابِ سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طویل قصے نقل کئے ہیں لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا آئینہ دل سے پہلے سے صاف تھا۔ فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی۔ گذشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط و خال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرفت حق کے لئے کوئی انتظار باقی نہ رہا۔ البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مورخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن ثابت بھی حضرت ابو بکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار آثار بھی بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے

لئے مخصوص ہے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اذا تذكرت شجوا من اخی ثقه ‏ ‏ ‏ ‏ فاذكر اخاك ابابك

جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم آوے ‏ ‏ ‏ ‏ تو اپنے بھائی ابو بکر کو یاد کرانکے

خیر البریة اتقاها واعدلها ‏ ‏ ‏ ‏ الا النبی واوفاه

وہ تمام مخلوق میں نبی ﷺ کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے ‏ ‏ ‏ ‏ اور انھوں نے جو کچھ اٹھایا اس کو

والثانی التالی المحمود مشهده ‏ ‏ ‏ ‏ واوّل الناس منهم صد

وہی ثانی اور آپ کے بعد متصل ہیں جن کی مشکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی ‏ ‏ ‏ ‏ اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ... کی

محققین نے ان مختلف احادیث آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت علیؓ بچوں میں، حضرت زیدؓ بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت ابو بکرؓ صدیق آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔ [1]

اشاعت اسلام

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لئے جدو جہد شروع کر دی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہ اور حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ وہ اکا بر صحابہ ہیں جو آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی حضرت ابو بکرؓ صدیق ہی کی ذات تھی۔ اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ [1]

مکی زندگی

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ دعوت کا

سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے ومشورہ، غرض ہر حیثیت سے آپؐ کے دست وبازو اور رنج وراحت میں شریک رہے۔ آنحضرت ﷺ روزانہ صبح وشام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ [2] قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ وہدایت کے لئے جاتے تو یہ بھی ہمرکاب ہوتے اور نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپؐ کا تعارف کراتے۔ [3]

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ظلم وستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ان مظلوم بندگانِ توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کردیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ، بنی مومل اور بنت نہدیہ وغیرہ نے اسی صدیقی جودوکرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت ﷺ پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں تقریر فرمارہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپؐ بے ہوش ہوگئے، حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا "خدا تم سے سمجھے، کیا تم صرف ان کو اس قتل کر دوگے کہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں۔ [1] اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلۂ مبارک میں پھندا ڈال دیا۔ اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے اور اس نابنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا "کیا تم اس کو قتل کروگے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"[2]؟

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ میں رشتہ مصاہرت مکہ ہی میں قائم ہوا یعنی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی۔

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی

ابتداءً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقہ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انہوں نے اس تحریک کا سد باب کرنا چاہا۔ ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے جانثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو ستم زدوں کی حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس دارو گیر سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ بن عبداللہ ان کی تبلیغ سے

حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی۔[1] ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپؓ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ کر عازمِ حبش ہوئے۔ جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابوبکر کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ مکہ واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابوبکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے، قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا لیکن فرمائش کی کہ ابوبکر کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھے اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عبادت الٰہی کے لئے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی، کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا۔ انھوں نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے تمھاری ذمہ داری پر ابوبکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بدعقیدہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تم انہیں مطلع کرو کہ اس سے باز آ جائیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر صدیقؓ سے کہا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمھاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لئے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بدعہدی کی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ ''مجھے تمھاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لئے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔[2]

ہجرت مدینہ اور خدمت رسول

کفار و مشرکین کا دستِ ستم روز بروز زیادہ دراز ہوتا گیا تو آپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نورِ اسلام سے منور ہو چکی تھی اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی۔ اس لئے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزل قرار دیا اور

ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن بارگاہِ نبوت سے یہ حکم ہوا کہ ابھی عجلت سے کام نہ کرو۔ امید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا''؟ ارشاد ہوا۔ ''ہاں'' عرض کی ''یا رسول اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو''۔ فرمایا ''ہاں! تم ساتھ چلو گے''۔ اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ عموماً صبح و شام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول ناوقت تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو۔ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؐ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پھر ہمراہی کی تمنا ظاہر کی۔ ارشاد ہوا ہاں تیار ہو جاؤ۔ وہ تو چار مہینے سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماؓ نے جلدی جلدی رخت سفر درست کیا۔ حضرت اسماؓ کو توشہ دان باندھنے کیلئے کوئی چیز نہیں ملی تو انھوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا اور دربار نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر لئے تھے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے۔ اسی طرح نبیؐ و صدیقؓ کا مختصر قافلہ راہی مدینہ ہوا۔[۱]

اس قافلہ کی پہلی منزل غار ثور تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا، جو سوراخ اور پھٹ نظر آئے ان کو بند کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ سے اندر تشریف لانے کے لئے عرض کی۔ آپؐ اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیق مونس کے زانوں پر سر مبارک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا لیکن اس خادم جاں نثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز ہونا گوارہ نہ کیا اور خود اپنی جان خطرہ میں ڈال کو اس پر پاؤں رکھ دیا۔ سانپ نے کاٹ لیا زہر اثر کرنے لگا، درد کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن اس وفاشعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی کہ اس سے خواب راحت میں خلل اندازی ہوگی۔ اتفاقاً آنسو کا ایک اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھ کر فرمایا ابوبکر کیا ہے؟ عرض کی ''میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، سانپ نے کاٹ لیا''۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔[۱]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آ کر ان کی اطلاع کرتے رہنا، اسی طرح اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو

حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرائیں اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئیں۔ چنانچہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہ ان کے نشان قدم پر بکریاں لاتے تا کہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو۔ رات کے وقت انہی بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا۔ غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کاروائی اس احتیاط سے عمل میں آتی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ ع

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے اسی روز قریش کی مجلس سے آپ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آ چکی تھیں۔ چنانچہ ابوجہل وغیرہ نے اس روز رات بھر شانۂ اقدس کا محصرہ رکھا لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا۔ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق کے دولت کدہ پر پہنچے گئے اور حضرت اسماءؓ سے ان کے والد کو دریافت کیا۔ انھوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ !

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے۔ اسی وقت اعلان کیا گیا جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو (۱۰۰) اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ چنانچہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام طمع میں آپ کی تلاش شروع کی۔ مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ یا سنسان میدان ایسا نہ ہو گا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس پہنچی، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق کو نہایت اضطراب ہوا اور حزن و یاس کے عالم میں بولے "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لئے جائیں گے۔" آنحضرت نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا یاوس بخمزدہ نہ ہوں، ہم صرف دو نہیں ہیں، ایک تیسرا (یعنی خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے۔ ع اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابو بکر صدیق کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل اولوالعزمی کے تیقن پر لازوال جرأت و استقلال سے مملو ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے تھے، ان کو مطلق محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہر مقصود اسی کاپیان میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

چوتھے روز یہ کارواں آگے روانہ ہوا۔ اب اس میں بجائے دو (۲) کے چار (۴) آدمی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو راستہ کی خدمات کیلئے پیچھے بٹھا لیا ہے۔ عبد بن اریقط آگے آگے راستہ بتاتا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ وطوحی والہام کی حفاظت کے لئے کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں سراقہ بن جعشم قریش کا ہرکارہ گھوڑا اڑاتا ہوا قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خوفزدہ ہو کر کہا "یا رسول اللہ! یہ سوار قریب پہنچ گیا" ارشاد ہوا غمگین نہ ہو، خدا ہمارے

ساتھ ہے" بارگاہِ رب العالمین میں دعا کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اتر کر پانسہ پھینک کر فال نکالی۔ جواب آیا کہ اس تعاقب سے دستبردار ہو جاؤ۔ نہ مانا، پھر آگے بڑھا۔ پھر وہی واقعہ پیش آیا۔ مجبور ہو کر امان طلب کی اور واپس آ گیا۔ ؎

حضرت ابو بکر صدیق نہایت کثیر الاحباب تھے۔ راہ میں بہت سے ایسے شناسا ملے جو آنحضرت ﷺ کو پہچانتے نہ تھے۔ وہ پوچھتے تھے کہ ابو بکرؓ یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے رہنما ہیں۔ غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی حضرت ابو بکرؓ نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کر کے اپنے محبوب آقا کے لئے استراحت کا سامان بہم پہنچایا اور خود کھانے کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اس میں کوئی دودھ یاری بکری بھی ہے؟ اس نے کہا۔ آپ نے فرمایا ہمیں دودھ دو گے؟ اس نے رضامندی ظاہر کی تو آپ نے ہدایت کی کہ پہلے تھن کو اور ہاتھوں کو گرد و غبار سے اچھی طرح صاف کر لو۔ اس نے حسب ہدایت وہ دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے ٹھنڈا کرنے کے لئے اس میں تھوڑا سا پانی ملایا اور کپڑے سے چھان کر خدمت بابرکت میں لائے۔ آپؐ نے نوش کیا اور دوسری منزل کے لئے چل کھڑے

ہوئے۔ ؎

اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا بارہویں ربیع الاول سنہ نبوت کے چودھویں سال مدینہ کے قریب پہنچا۔ انصار کو آنحضرت ﷺ کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا وہ نہایت بے چینی سے آپؐ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آپؐ شہر کے قریب پہنچے تو انصار استقبال کے لئے نکلے اور ہادی برحق کو حلقہ میں لے کر شہر قبا کی طرف بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس جلوس کو داہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انصار جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ آنحضرت ﷺ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔ بہت سے انصار جو پہلے آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابو بکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آنے لگا اور جاں نثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدار پر سایہ کیا تو اس وقت خادم و مخدوم میں امتیاز ہو گیا اور لوگوں نے رسالتمآب ﷺ کو پہچانا۔ ؎

حضرت سرور کائنات ﷺ قبا میں چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت خارجہ بن زید ابن ابی زہیر کے مکان میں فروکش ہوئے۔ ؎ کچھ عرصے کے بعد آپ اہل و عیال بھی حضرت طلحہؓ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

ہے۔ لیکن مدینہ کی آب وہوا مہاجرین کے لئے نہایت ناموافق ہوئی۔ خصوصاً حضرت ابوبکرؓ ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حال پوچھا تو اس وقت یہ شعر وردِ زبان تھا۔

کل امرء مصبح فی اهلہ　　　والموت ادنی من شراک نعلہ

''ہر آدمی اس حالت میں ساتھ اپنے اہل وعیال میں صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمہ بھی قریب تر ہوتی ہے''۔

حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد وصححها وبارک لنا فی صاعها ومدها وانقل حماها فاجعلها بالجحفة

''اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر، اس کو بیماریوں سے پاک فرما، اس کے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کے (وبائی) بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔'' دعا مقبول ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لئے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی۔

مواخات

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کی باہمی اجنبیت وبیگانگی دور کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا۔ اس مواخات میں طرفین کے اعزاز ومرتبہ کا خاص طور لحاظ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی برادری حضرت خارجہ بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے قائم کی گئی جو مدینہ میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے۔ [1]

تعمیر مسجد

مدینہ اسلام کے لئے آزادی کی سرزمین تھی۔ فرزندانِ توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی واجتماع کے ساتھ معبودِ حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل ہوا۔ اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا، اس کے لئے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گو ان کے اولیاء واقرباء بلا قیمت پیش کرنے پر مصر تھے، تاہم رحمت العالمین (ﷺ) نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ سے اس کی قیمت دلوا دی۔ [2]

اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے ابرِ کرم نے اسلام کے لئے جو

خود و سخا کی بارش کی قیمت ادا کرنے کے علاوہ پیرانہ سالی میں بھی پیر مرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا۔

⦿⦿⦿

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشر و اشاعت کا وقت آ گیا تھا لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور نوک سناں سے وابستہ سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے اس نے ہمیشہ علمبردار اسلام کو اپنی جنگ جوئی سے منبر وعظ و ہدایت کو چھوڑ کر میدان رزم میں آنے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک مشیر و وزیر با تدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہم رکابی سے مشرف رہے۔

غزوۂ بدر

غزوۂ بدر حق و باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا، خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی سجدہ گاہ کے ساتھ حق صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا اور یہی پیر مرد جس نے اپنے وعظ سے عثمانؓ بن عفان، ابوعبیدہؓ بن الجراح اور عبدالرحمنؓ بن عوف جیسے اولوالعزم جیسے اکابر صحابہ کرام کو بگوش اسلام بنایا تھا، نہایت جانبازی کے ساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حفاظت میں مصروف تھا۔ نا روشرکین ہر طرف سے نرغہ کرتے آتے اور یہ ایک ایک کو شجاعت خداداد سے بھگا دیتا تھا۔ (زرقانی جلد ا غزوۂ بدر)

رسول اللہ ﷺ کفار کی کثرت دیکھ کر محزون ہو جاتے اور سربجود ہو کر دعا فرماتے "اے خدا! مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑنا اور اپنا عہد پورا کر، اے خدا کیا چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہ ہو"۔ اس عالم حزن و یاس میں آنحضرت ﷺ کا قدیم مونس باوفا اور ہمدم غمگسار شمشیر برہنہ آپ ﷺ کی حفاظت میں مصروف ہوتا اور تسلی و دلدہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۸۳)

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ حضور انور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل نہ ہوئے۔ ایک دفعہ ردائے مبارک شانہ اقدس سے گر گئی، فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی، پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے، درحقیقت یہی وارفتگی، جوش اور حب رسول ﷺ کا جذبہ تھا جس نے قلت کو کثرت سے مقابلہ میں سربلند کیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵)

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کبار صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیے جائیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے

عرض کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے ان کے ساتھ رحم و تلطف کا برتاؤ کرنا چاہیے اور فدیہ لیکر ان کو آزاد کرنا چاہیے، رحمۃ للعالمین ﷺ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند آئی۔ (مسلم باب امداد الملائکہ و غزوۂ بدر)

غزوۂ احد

بدر کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا، انہوں نے جوشِ انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا، اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، آنحضرت ﷺ سخت مجروح ہوئے اور لوگ آپ ﷺ کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے، ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا "کیا قوم میں محمد ہیں؟" کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا۔ (بخاری باب غزوۂ احد)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت ﷺ کے بعد ابوبکر صدیقؓ ہی کو رئیس امت سمجھتے تھے۔

اختتام جنگ کے بعد کفارِ مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت ان کے تعاقب میں روانہ کی گئی، حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شامل تھے۔ (بخاری باب المغازی باب الذین استجابوا للہ والرسول)۔

غزوۂ احد کے بعد بنونضیر کی جلاوطنی، غزوۂ خندق اور جو دوسرے غزوات پیش آئے، حضرت ابوبکرؓ ان سب میں برابر شریک تھے۔

غزوۂ بنی المصطلق اور افک کا واقعہ

۶ھ میں غزوۂ بنی المصطلق پیش آیا، حضرت ابوبکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی اور شب کے وقت مدینہ کے قریب تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ صبح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں رفعِ حاجت کیلئے باہر تشریف لے گئیں، واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہیں گر گیا، تلاش کرتی ہوئی پھر اس طرف چلیں، لیکن جب ڈھونڈ کر پڑاؤ پر واپس پہنچیں تو لوگ روانہ ہو چکے تھے، اسی جگہ غمگین و ملول بیٹھ گئیں، اتفاقاً صفوان بن معطلؓ نے جو نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لیکر سب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے، حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے۔

منافقین کی جماعت جو عموماً اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں مشتہر کیا۔ دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق اور خود

عائشہؓ کو بارگاہِ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ، تقرب اور اعزاز حاصل تھا، اسلئے بعض مسلمانوں کو بھی ان پر رشک کر رہا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بھی اس افتراء میں منافقین کی تائید کی۔ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک پروردہ نعمت اور عزیز مسطح بن اثاثہ جس کے وہ اب تک متکفل تھے اس سازش میں افترا پردازوں کا ہم آہنگ تھا۔

عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ کے لئے نہایت روح فرسا آزمائش تھی۔ لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دیدی اور وحی الٰہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی

"ان الذین جآءو بالافک عصبۃ منکم لاتحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم لکل امرئ منھم ما اکتسب من الاثم والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم۔

جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی وہ تمھاری ہی جماعت سے ہیں اسکو تم اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمھارے لئے خیر ہی ان میں ہر شریک گناہ کو بقدر شرکت سزا ملیگی اور ان (سورہ نور) سے جس نے بہت زیادتی کی ہے اس پر سخت عذاب ہوگا"۔

حضرت ابوبکرؓ اس برأت کے بعد مسطح بن اثاثہ کی کفالت سے دستبردار ہوگئے اور فرمایا "خدا کی قسم اس فتنہ پردازی کے بعد اس کی کفالت نہیں کرسکتا۔ لیکن جب یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ولا یأتل اولوالفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم

(نور۔ رکوع ۳)

"تم میں بڑے اور صاحب مقدرت لوگ رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین کو امداد نہ دینے کی قسم کھائیں اور چاہیے کہ (انکے قصور) معاف کریں اور ان سے درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے، کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے"۔

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا "خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا کفیل رہوں گا۔ (یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الافک سے ماخوذ ہے)

واقعہ حدیبیہ

اسی سال یعنی ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و خونریزی نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ

ہوئے ہیں اس لئے تشریف لے چلیے۔ جو کوئی اس راہ میں سدِ راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "بسم اللہ چلو، غرض آگے بڑھ کر مقامِ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین سے مصالحت کی، سلسلۂ جنبانی شروع ہوئی۔ اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہوگئے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے تمام جاں نثاروں سے جہاد کی بیعت لی یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ (بخاری باب غزوۂ حدیبیہ)

قریش مکہ ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر نرم پڑ گئے اور مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "محمدؐ! خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ تم سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے" اس جملہ نے جاں نثاران رسولؐ پر نشتر کا کام کیا۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا "کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ نے انجان بن کر پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابوبکرؓ۔ اس نے مخاطب ہو کہا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں تمہارا زیر بار احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا۔ (بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب)

حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اس قدر دب کر کیوں صلح کی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر محرمِ اسرارِ نبوت تھے۔ فرمایا آنحضرت ﷺ خدا کے رسول ہیں، اس لئے آپ اسکی نافرمانی نہیں کرسکتے اور وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے"۔ (ایضا)

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ اطمینان ہوا تو ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ سپہ سالار تھے۔ لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ خیبر ان ہی کے ہاتھ مفتوح ہوا۔ (بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب)

حضرت ابوبکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۸۷)

وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو بنو فزارہ کی تنبیہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کئے گئے اور بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ (مسلم باب التفصیل وفداء المسلمین بالا ساری)

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد فرمایا اور فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے۔ مکہ پہنچ کر اپنے والد ابو

قحافہ عثمان بن عامر کو ورِ بارِ نبوت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نورِ ایمان سے شرف فرمایا۔ (اصابہ تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر)

مکہ سے واپسی کے وقت ہوازن سے جنگ ہوئی جو معرکۂ غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے، یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت ابوبکرؓ کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق)

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث یہ نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ نے جنگی تیاریوں کے لئے صحابہ کرامؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ تمام صحابہؓ نے حسب حیثیت اس میں شرکت کی۔ حضرت عثمانؓ دولتمند تھے اس لئے بہت کچھ دیا۔ لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ کا امتیاز قائم رہا۔ گھر کا سارا اثاثہ لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ہے۔ (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر)

غرض اس سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہوگئی اور حدود شام کی طرف بڑھی۔ لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لئے سب لوگ واپس آ گئے۔ (طبقات ابن سعد حصہ مغازی)

امارت حج

اسی سال یعنی ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ (بخاری باب حج ابی بکرؓ بالناس فی سنۃ تسع)

چونکہ سورۂ برأت اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لئے بھیجے گئے تھے اس لئے بعضوں کو یہ شک پیدا ہوگیا ہے کہ امارت حج کی خدمت بھی حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ کو تفویض کی گئی تھی۔ لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰)

آنحضرت ﷺ کی وفات اور
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ ہمرکاب تھے۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپؐ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا۔

''خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار کر دیا تھا لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی۔''

حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر رونے لگے لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع تھا۔ (بخاری باب فضائل الصدیق)

لیکن درحقیقت ان کی فراست دینی اس کنایہ کی تہہ تک پہنچ گئی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات اقدس ﷺ ہے۔ چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے اور حکم ہوا کہ ابو بکرؓ امامت کی خدمت انجام دیں۔ حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابو بکرؓ کا عطا کیا جائیگا تو وہ محسود خلائق ہو جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ابو بکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں اس لئے یہ منصب جلیل عمرؓ کو عطا کیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے ابو بکرؓ کی امامت کے لئے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہو کر فرمایا ''تم وہی ہو جنھوں نے یوسف کو دھوکہ دینا چاہا تھا''۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ۔ انھوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں (بخاری باب فضائل الصدیق)۔

غرض اس روز سے حضرت ابو بکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔ ایک روز حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود ان کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ (بخاری باب من قام الی جنب الامام بعلۃ)

۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز جس دن آنحضرت ﷺ نے وفات پائی حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر مسکرائے تو حضرت ابو بکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپؐ نماز کے لئے تشریف لائیں گے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور پھر پردہ گرا دیا۔ (بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ)

چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت ﷺ کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ نماز کے بعد اجازت لے کر مقام سخ کو جہاں ان کی زوجہ محترمہ حضرت خارجہ بنت زہیر رہتی تھیں تشریف لے

گے۔ (بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت)

حضرت ابوبکر صدیق سخ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہ کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا۔

''بابی بکر انت وامی واللہ لایجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد ذقتھا ثم لن تصبک بعدہ موتۃ ابداً''

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے اس کے بعد اب پھر کبھی موت نہ آئے گی''۔

پھر جادر ڈال کر باہر تشریف لائے۔ حضرت عمر جوش دارفتگی میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے سے انکار کر رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے حال دیکھا تو فرمایا ''عمرؓ تم بیٹھ جاؤ'' لیکن انھوں نے دارفتگی میں کچھ خیال نہ کیا تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے۔ آپ نے فرمایا

اما بعد فمن کان یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لایموت قال اللہ تعالی ومامحمد الارسول قدخلت من قبلہ الرسل الیۃ

''اگر لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مر گئے اور اگر خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا خدا نے برتر فرماتا ہے'' محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں''۔

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا۔ خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی برموقع تھی کہ اسی وقت زبان زد خاص و عام ہو گئی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ (بخاری باب مرض النبیؐ و وفاۃ)

سقیفہ بنی ساعدہ

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ مہاجرین کو خبر ہوئی تو بھی مجتمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست

دگریباں ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا لیکن خدا کی توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا۔ اس لئے اس نے آسمان اسلام پر ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مہ و ماہ پیدا کر دیے تھے جنہوں نے اپنے عقل و سیاست کی روشنی سے افق اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لئے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔ ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقبل طور پر صرف انصاری کے سپرد کر دی جاتی، لیکن دِقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے۔ پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے''۔ اس پر حضرت حباب بن المنذر انصاری بول اٹھے نہیں خدا کی قسم نہیں۔ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا''۔ حضرت ابوبکرؓ نے جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا

''صاحبو! مجھے آپ کے محسن سے انکار نہیں لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابوعبیدہ بن الجراح اور عمرؓ بن خطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو''۔

لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا اور کہا

''نہیں بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے'' (بخاری ج ۱ صفحہ ۵۱۸)

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی با اثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لئے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کے لئے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رک گیا اور لوگ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ صدیق نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح فرمائی

يايها الناس فاني قد وليت عليكم ولست بخيركم فان احسنت
فاعينوني وان اسات فقوموني الصدق امانة والكذب خيانة والضعيف
فيكم قوي عندي حتى اريح عليه حقه انشاء الله والقوي فيكم ضعيف

عندی حتی احد الحق منه ان شاء الله لاید ع قوم الجهاد فی سبیل الله الاضربهم الله بالذل و لاتشیع الفاحشة فی قوم قط الاعمهم الله بالبلاء و اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فاذا اعصیت الله ورسوله فلاطاعة لی علیکم قوموا الی صلاتکم یرحمکم الله۔

''صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اعانت کرو، اور اگر برائی کی طرف جاؤں مجھے سیدھا کردو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلا دوں، انشاء اللہ اور تمہارا قوی مرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اسکو خدا ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اسکی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے، میں خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں، اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے''۔ (بخاری ج ص)

حضرت علیؓ کی بیعت

تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے، تاہم حضرت علیؓ اور ان کے بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی۔ اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب وغریب مباحث پیدا کر دیئے ہیں جن کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں ممکن ہے کہ حضرت علیؓ، رسول اللہ ﷺ سے اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزومند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں۔ تاہم ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا، اس لئے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا۔ اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؓ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے۔ ابن سعد کی روایت ہے

عن محمد بن سیرین قال لما بویع ابو بکر ابطا علی عن بیعة وجلس فی بیتة قال فبعث الیه ابو بکر ما ابطاک عنی اکرهت امارتی قال علی ماکرهت امارتک ولکن الیت ان لا ارتدی ردائی الیت الی صلوة حتی اجمع القرآن

''محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کی بیعت کی گئی تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور

خانہ نشین رہے، ابوبکرؓ نے کہا بھیجا کہ میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے؟ کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؓ نے کہا کہ میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا''۔ (بخاری باب غزوہ خیبر)

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی؟ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے باغ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے (جس کا تذکرہ آئندہ آئیگا) خلیفہ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کس قدر ملال پیدا کردیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے محض ان کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو تنہا بلا کر ان کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے آپ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کر تے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور رشتہ داری کی بناء پر ہم یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے۔

حضرت علیؓ نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جواب دیا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں رشتہ داروں سے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی متروکہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے سر موانحراف نہیں کیا''۔

غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہوگیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا۔

خلافت

حضرت ابوبکرؓ صدیق کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات، مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھی۔ منکرین زکوۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہؓ بن زید کی مہم بھی درپیش تھی جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اس مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے۔ لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارانہ کیا کہ ارادہ نبوی اور حکم رسالتمآب ﷺ معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ ﷺ کے ایما سے روم کے مقابلہ

کے لیے بلند کیا گیا تھا اس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے۔ چنانچہ آپؓ نے برہم ہوکر فرمایا "خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۷۱)۔

اسامہ بن زیدؓ کی مہم

غرض خلیفہ اول نے خطرات و مشکلات کے باوجود اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کر کے ان کو نہایت زریں ہدایت فرمائیں۔ چونکہ اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسولؐ پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اس لیے انھوں نے تعظیماً عرض کی کہ "اے جانشین رسولؐ خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اتر تا ہوں" بولے "اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دیر تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں، غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔ (طبری صفحہ ۱۸۵)

حضرت اسامہؓ کی مہم رخصت ہو کر حدود شام میں پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زیدؓ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع

سرور کائنات ﷺ ہی کی زندگی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو لکھا تھا کہ میں آپؐ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری۔ سرور کائنات ﷺ نے اس کا جواب دیا تھا۔

من محمد رسول الله الى مسيلمة كذاب اما بعد فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعقبة للمتقين

"محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف مسیلمہ کذاب کو، اما بعد دنیا خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہیگا اسکا وارث بنائیگا اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۷۴۹)

لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی۔ چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا، بنو غطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔ اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے

یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہوگیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے مسلیمہ سے شادی کرلی تھی اور یہ مرض وباء کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی اس بناپر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا؟ حضرت علیؓ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تک تمام تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے اس لئے قرعۂ انتخاب حضرت خالد بن ولید کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت ابن قیس انصاریؓ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لیکر مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۸۸۷)۔

حضرت خالد بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کرکے اس کے متبعین کو قتل کیا عیینہ بن حصن کو گرفتار کرکے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے معذرخواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے اور تجدید اسلام کر کے حلقہ مومنین میں داخل ہوگیا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۴۵)۔

مسلیمہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرجیل بن حسنہ روانہ کئے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ ابتداء کریں حضرت خالد بنؓ ولید کو ان کی اعانت کے لیے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے مجاعہ کو شکست دی۔ اس کے بعد خود مسلیمہ سے مقابلہ ہوا مسلیمہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوئی جس میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور مسلیمہ کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مرگئی۔ (ایضاً صفحہ ۱۴۷)

اسود عنسی نے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے زمانہ میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی، اس کو قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت میں واصل جہنم کیا (ایضاً صفحہ ۱۴۷)۔

اسود عنسی نے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضرت ابوبکرؓ صدیق کے زمانہ میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی، اس کو قیس بن مشکوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت میں واصل جہنم کیا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۸۶۳)۔

مرتدین کی سرکوبی

حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے بعد بہت سے سرداران عرب مرتد ہوگئے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا۔ چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا۔ لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اسی طرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہوگئے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے مدعیان نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اس طوائف الملوکی کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ علاء بن حضرمیؓ کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا۔ اسی طرح حذیفہؓ بن محصن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کراکے سرزمین عمان کو پاک کیا، اور زیادؓ بن لبید کے ذریعہ سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی۔ (تاریخ طبری ص ۱۸۶۳)

منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ

مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا۔ چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا اسلئے اس کے خلاف قلم اٹھانے کے متعلق خود صحابہؓ میں اختلاف رائے ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحب رائے بزرگ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے لیکن خلیفۂ اول کا عزم متزلزل ارادہ اور استقلال اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا۔ صاف کہہ دیا "خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔" اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔ (تاریخ طبری ص ۱۸۶۳)

جمع و ترتیب قرآن

مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہو گیا کہ اگر صحابہؓ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے خلیفۂ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے اس کو میں کس طرح کروں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کام اچھا ہے، اور ان کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو عہد نبوت میں کاتب وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ پہلے ان کو بھی اس کام میں عذر ہوا۔ لیکن اس کی مصلحت سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۴۵)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہد نبوت میں کلام مجید آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے اس لئے عہد صدیق میں جو کام انجام پایا وہ ان ہی آیات و سور کو باہم مرتب کرنا تھا۔لیکن یہ ایک افسوس ناک غلطی ہے۔درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر آیت الہامی ہے۔اسی طرح آیات و سور کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور خود مہبط وحی و الہام ﷺ کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پا چکے تھے۔چنانچہ ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔

کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں

قرآن شریف کی آیتیں عموماً کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آ جانے پر نازل ہوتی تھیں اور صحابہؓ ان کو کھجور کی شاخ، ہڈی، چمڑے، پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے تھے۔جب اک سورہ ختم ہو جاتی تو وہ علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہو جاتی تھی۔کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کو الگ الگ لکھواتے جاتے۔غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار پا چکے تھے۔حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں یا فلاں سورۃ تک تلاوت فرمائی۔صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نماز میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی۔اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی۔

حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا

مجموع بی الصحت فی قوله يتلوا صحفاً مطهرة الاية وكان القرآن مكتوبا في الصحف لكن كانت متفرقة فجمعها ابو بكر في مكان واحد ثم كانت بعده محفوظة الى ان امر عثمان بالنسخ منها عدة مصاحف وارسل بها الى الامصار (فتح الباری ۹ ص ۱۰)

یتلوا صحفاً مطهرة الآیۃ میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے، قرآن شریف صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن متفرق تھا، حضرت ابو بکرؓ نے ایک جگہ جمع کر دیا، پھر ان کے بعد محفوظ رہا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں روانہ کر دیے۔

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف قرآن شریف کے متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔

صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا

حضرت زیدؓ بن ثابت کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرمایا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں۔ البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے عاریۃً لے کر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات میں روانہ کر دیے۔ لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا۔ لیکن انھوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تاحیات اپنے پاس محفوظ رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر اس کو ضائع کر دیا۔ (ایضاً)

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام پر رومی پھریرا لہرا رہا تھا، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا۔ ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں۔ خصوصاً ایرانی سلطنت نے مقصد کے لئے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں۔ بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجیں اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا۔ چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرماں روا تھا۔ اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگذار ہو گئے تھے۔ اسی طرح ساپور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا۔ جو دوسا ئے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا۔ اسی سے عرب میں "ذوالاکتاف" یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا۔ (تاریخ الطوال ص ۴۹)

لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی، اسی لئے جب کبھی موقع بغاوت برپا ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں۔ چنانچہ فرماں روایان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرماں روا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔

گو شاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا اور بالآخر اپنی سلطنت

کا ایک جزو بنالیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگذار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمراں رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اس سرزمین میں آباد ہوتے رہے۔ غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی، چنانچہ جنگ ذی قار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا (عقد الفرید جلد ۳ ص ۸۱)

هذا اول یوم انتصف

العرب من العجم

"یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے

عجم سے بدلہ لیا"

اسی طرح ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو پرویز شہنشاہ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے"۔ (طبری صفحہ ۱۵۷۲)

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا، عرب کے بہت سے قبائل مثلاً بلیح، غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی اور ۶ھ میں حضرت دحیہ کلبی قیصر روم کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ دحیہ بن خلیفہ کلبی)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر کو بصریٰ کے حاکم عمرو بن شرجیل نے قتل کرا دیا۔ ۸ھ میں غزوۂ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ کام آئے۔ (طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲)

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں، لیکن جب خود رسول اللہ ﷺ پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی۔ تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامن گیر تھا۔ چنانچہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسی حفظ ما تقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زید کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ہدف بنا ہوا تھا۔ خصوصاً اسلام کی روزافزوں ترقی نے انھیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا جو اس عربی نونہال کے لیے حد درجہ خطرناک تھا۔ خلیفۂ اول نے ان ہی اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مہم عراق

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت وطوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت وشان کو کھو چکی تھی۔ یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی۔ عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختۂ مشق رہ چکے تھے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے۔ چنانچہ موقع پاکر نہایت زور وشور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی وسوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حیرہ وابلہ کے نواح میں غارت گری شروع کر دی۔

مثنیٰ اسلام لا چکے تھے انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت ومرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے، اسلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰؓ کی کمک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقیا، کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے۔ یہاں شاہ جاپان سے مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی۔ پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے۔

نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا۔ یہاں سے خورنق پہنچے لیکن اہل خورنق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۷۔ یہ سلاطین ایرانی حکومت کے باجگذار تھے)

حملہ شام

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ حمص پر، یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر، شرجیل بن

حسنہ اردن پر اور عمرو بن العاص فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد (۲۷۰۰۰) تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لئے لکھا چونکہ اسوقت دار الخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو نہایت انتشار رہا۔ اور اسی وقت حضرت خالد بن ولید کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ فرمان پہنچتے ہی حضرت خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کیطرف روانہ ہو گئے۔ (تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری ص ۱۱۶)

حضرت خالد بن ولید کو راہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں، چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سد راہ ہوئی۔ عقبہ بن ابی ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی۔ وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارزطلبی کی۔ ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کئے گئے۔ پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے۔ اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی۔ تدمر سے گزر کر حوران آئے۔ یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی۔ اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے اور متحدہ قوت سے دلبری، فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا۔ اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن انجام کار میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا۔ اور جمادی الاول ۱۳ھ سے اجناء دین ہمیشہ کے لئے اسلام کا زیر نگیں ہو گیا (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱)۔

اجناء دین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اسلئے اس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی۔

متفرق فتوحات

عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمان بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا۔ انھوں نے توج، مکران اور اس آس پاس کے علاقوں کو زیر نگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرمی رنہ زارہ پر مامور ہوئے انھوں نے زارہ اور اس کے اطراف کو زیر نگیں کر کیا اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اول نے اس سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام مرد، عورت، شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱)

مرض الموت استخلاف حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ پیام اجل پہنچ گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خنک تھا، آپ نے غسل فرمایا۔ غسل کے بعد بخار آ گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا۔ اس اثناء میں مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی تو صحابہ کرامؓ کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے کہا "عمرؓ کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "میرے خیال میں عمرؓ کا باطن ظاہر سے ہو اچھا ہے"۔ لیکن بعض صحابہ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھی۔ چنانچہ حضرت طلحہ عیادت کے لئے آئے تو شکایت کی کہ آپ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے؟ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جواب دیا "جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو ان کو خود نرم ہونا پڑیگا"۔ اسی طرح ایک دوسرے صحابی نے کہا آپ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں، ذرا سوچ لیجئے آپ خدا کے یہاں جا رہے ہیں وہاں جواب دیجئے گا"۔ فرمایا "میں عرض کروں گا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا ہے جو ان میں سب سے اچھا"۔

غرض سب کی تشفی کر دی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا پڑھ کر سناؤ۔ انھوں نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا خدا تمھیں جزائے خیر دے۔ تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنا دے اور خود بالا خانہ پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔ تمام حاضرین نے اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ وصیت ابوبکرؓ ص ۱۴۲)

اس سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی۔ حضرت

عائشہؓ کو انھوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دیدی تھی۔ لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔ اس لئے فرمایا ”جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمھیں دی ہے۔ کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر لوگی؟“ حضرت عائشہؓ نے حامی بھر لی تو آپؓ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لئے وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو انٹنیوں کے سوا کچھ نہیں۔ عائشہؓ میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی۔ اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کاشانہ صدیقی سے برآمد نہیں ہوئیں (طبقات ابن سعدق اج ۳ ص ۱۳۶)۔

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پہ ہے اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے۔ کفن کے لئے نیا ہونا چاہیے۔ فرمایا ”زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں۔ میرے لئے یہی پھٹا پرانا بس ہے“۔

اس کے بعد پوچھا آج دن کون سا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ۔ پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز۔ ”فرمایا تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں“۔ چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی۔ یعنی دوشنبہ کا دن ختم کرکے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ (طبقات ابن سعد)

”انا للہ و انا الیہ راجعون“۔

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس نے غسل دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائنات ﷺ کا رفیق زندگی آپ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لئے جنت میں پہنچ گئے

کارنامہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انھوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جو لازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مورخ طبری کا

بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیان نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں۔ منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشید دو عالم ﷺ کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا لیکن جانشین رسول اللہ ﷺ نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے یہی ذات گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے۔ مہمات امور کا فیصلہ ہوا۔ یہاں تک کہ روم و ایران کے الٹ دیے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اور در اصل وہی اس کے مستحق ہیں۔ اس لیے اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہد صدیقی کی وہ کونسی داغ بیل تھی، جس پر عہد فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظام خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی۔ چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں اکابر صحابہؓ رائے و مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے صاحب رائے و مجربہ کار صحابہ کو بھی دار الخلافت سے جدا ہونے نہ دیا۔ حضرت اسامہ مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا لیکن انھوں نے حضرت اسامہ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لیے چھوڑ جائیں (طبقات ابن سعد حصہ مغازی)

شام کے لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہؓ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لیے پیش کیا۔ ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھوڑنے میں پس و پیش تھا۔ حضرت علیؓ نے موافق رائے دی۔ (صفحہ ۱۴۹)

اور پھر اسی پر اتفاق ہوا۔ اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہؓ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی۔ البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا تاہم جب کوئی امر اہم پیش آ جاتا تو ممتاز مہاجرین و انصار

جمع کئے جاتے تھے اوران سے رائے لی جاتی تھی۔

چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرای واهل الفقه و دعا رجالا من المهاجرین والانصار دعا عمر عثمان علیا عبدالرحمن بن عوف ومعاذ جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت کل هولاء یفتی فی خلافة ابی بکر (طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ص ۱۰۹)

''جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق اہل الرائے و فقہائے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز لوگ یعنی عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کو بلاتے تھے، یہ سب حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتوے بھی دیتے تھے''۔

ملکی نظم ونسق

نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم ونسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی اس لئے ان کے دائرہ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیے۔ انھوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۱۳۶)

ہر صوبے میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ البتہ خاص دارالخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کئے گئے تھے۔ مثلاً حضرت ابوعبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے، حضرت عمرؓ قاضی تھے اور حضرت عثمانؓ و حضرت زید بن ثابتؓ دربار خلافت کے کاتب تھے۔ (ایضاً ص ۲۱۳۵)

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے اور ان سے ان ہی مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے۔ مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسیدؓ، طائف پر عثمان بن ابی العاصؓ، صنعاء پر مہاجرین امیہؓ، حضرموت پر زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر علاء بن الحضرمی مامور تھے۔ اس لئے خلیفہ اول نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔ (تاریخ طبری ص ۲۰۸۴)

حضرت ابوبکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی

تشریح کردیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے۔

چنانچہ عمرو بن العاص اور ولید بن عقبہ کو قبیلۂ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی

اتق الله فی السر والعلانیة فانه من یتق الله یجعل له مخرجاً ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتق الله یکفر عنه سیاته ویعظم له اجراً فان تقوی الله خیر ما تواصی به عباد الله انک فی سبیل الله لا یسعک فیه الادهان والتفریط والغفلة عما فیه قوام دینکم وعصمة امرکم فلاتنِ ولا تفتر الخ (مسند جلد ۱ صفحہ ۶)

”خلوت وجلوت میں خوف خدا رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اسکے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے، تم خدا کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس سستی و تغافل کو راہ نہ دینا“۔

اسی طرح یزید بن سفیان کو مہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا

یایزید ان لک قرابة عسیت ان توثرهم بالامارة وذلک اکبر ما اخاف علیک فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من ولی من امر المسلمین شیئاً فامر علیهم احداً محاباة فعلیه لعنة الله لایقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً حتی یدخله جهنم (مسند جلد ۱ صفحہ ۶)

”اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں، شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوا اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو، خدا اسکا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائیگا، یہاں تک کہ اس کو اس کو جہنم میں داخل کرے“۔

حکام کی نگرانی

کسی حکومت کا قانون آئین گو کیسا ہی مرتب و منظم ہو، لیکن اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول کو اپنی فطری نرم دلی،

تسائل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور کفایت بھی سے کام لیا ہے۔ ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا لیکن انتظام و مذہب میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی ناز یبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے۔ یمامہ کی جنگ میں مجاعہ حنفی نے جو مسیلمہ کذاب کا سپہ سالار تھا حضرت خالد بن ولید کو دھوکہ دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچالیا۔ حضرت خالد بن ولید نے اس غداری پر اسے سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی کرلی۔ چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے۔ اس لئے ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کی اس مسامحت پر سخت مسامحت پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا۔

تتوثب على النساء وعند اطناب بيتك دماء المسلمين (يعقوبی ج ۲ ص ۱۴۸)

''یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو۔''

مالک بن نویرہ منکر زکوۃ تھا۔ حضرت خالد بن ولید اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن انھوں نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اس کو قتل کر ڈالا۔ مالک کو بھائی شاعر تھا اس نے اس کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لئے تیار تھا مگر خالد محض ذاتی عداوت سے قتل کر دیا۔ دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس غلطی پر حضرت خالد سخت مورد عتاب ہوئے لیکن وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لئے کوئی دوسرا ان سے زیادہ موزوں نہ تھا اس لئے اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔ (ایضاً صفحہ ۱۴۹)

تعزیر و حدود

حضرت ابوبکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ عہد نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے ان کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے ''تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟'' اس نے کہا نہیں۔ فرمایا خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو'' خدا بھی اس کو چھپائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اگر اس نے ان کے مشورے پر عمل کیا ہوتا تو جرم سے بچ جاتا۔ لیکن خود دربار رسالت میں آ کر اس نے متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگسار ہوا۔ (ابوداؤد کتاب الحدود)

زمانہ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی۔ چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمشیر حضرت ام فروہؓ سے اس کا نکاح کر دیا۔ (الترغیب و الترہیب ج سوم صفحہ ۱۱۶ بحوالہ ابن الدنیا)

لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و

مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انھوں نے پولیس واحتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی۔ البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کردیں۔ مثلاً خمر کی نسبت رسول اللہ کا طرز عمل مختلف تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لئے چالیس دُرّے کی سزا لازمی کردی۔ (مسند ابن حنبل ج ا ص)

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علت اُبنہ میں مبتلا ہے، چونکہ اہلِ عرب کے لئے ایک جدید جرم تھا اور حدیث وقرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی، اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۹)

ان کو ملک میں امن وامان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں عبداللہ بن ایاس سلمی مشہور راہزن تھا جس نے تمام ملک میں ایک غدر برپا کر رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے طریفہ بن حاجر کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا۔ اور آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ حدود شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے اور ان موقعوں پر ان کا طبعی حلم وکرم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجرین امیہؓ نے جو یمامہ کے امیر تھے، دو گانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت ﷺ کی ہجو گاتی تھی اور دوسری مسلمانوں کو برا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اکھڑوا ڈالے۔ حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس سزا پر سخت برہمی ظاہر فرمائی۔ اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سبّ وشتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا کیونکہ وہ اگر مدعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہوگئی اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا۔ لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو برا کہتی تھی اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہیے تھی۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لئے معمولی تنبیہ وتادیب کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے درگزر کیا تو مسلمانوں کو برا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ تمھاری پہلی خطا نہ ہوتی تو تمھیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا۔ دیکھو! مثلہ سے ہمیشہ محترز رہو۔ یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے۔ مجبوراً صرف قصاص میں مباح ہے (تاریخ الخلفاء ص ۹۶)۔

مالی انتظامات

عہد نبوت میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا۔ چنانچہ انھوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد و عورت اور ادنیٰ، اعلیٰ کو بلاتفریق دس دس درہم عطا کیے۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و منقبت اور چیز ہے، اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟ (طبقات ابن سعد ق اجلد ۳ ص ۱۵۱)

البتہ اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا۔ اس لیے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ (ایضاً)

خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر مقام سخ میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا۔ لوگوں نے کہا "خدا ابو بکرؓ پر رحم کرے" اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا "دو لاکھ دینار"۔ (ایضاً)

فوجی نظام

عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ذوق و شوق سے علم جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورت حال باقی رہی۔ لیکن انھوں نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے۔ چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے۔ امیر الامراء یا ڈرا مچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفہ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ (فتوح البلدان ص ۱۱۵)

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی، یعنی حضرت خالد بن ولید نے تعبیہ کا طریقہ ایجاد کیا اور میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا۔ اس طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں ابتری پھیل جاتی تھی اس کا سد باب ہو گیا۔ (تاریخ طبری)

فوج کی اخلاقی تربیت

رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب للہیت اور اعلا ئے کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں۔ اس لئے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصد عظیم کے لئے جو فوج تیار ہو وہ اخلاق رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو۔ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے اور امیر عسکر کو زریں نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۶)۔

انک تجد قوما زعموا انهم حبسوا انفسهم لله فذرهم وانی موصیک بعشر لا تقتلوا امرأة ولا صبيا ولا كبيرا هرما ولا تقطعن شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاة ولا بعيرا الا لاكلة ولا تحرقن نخلا ولا تغلل ولا تجبن

''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، (۱) کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، (۲) پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، (۳) کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، (۴) بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا، (۵) نخلستان نہ جلانا، (۶) مال غنیمت میں غبن نہ کرنا، اور (۷) بزدل نہ ہو جانا۔

سامان جنگ کی فراہمی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سامان جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامان بار برداری اور اسلحہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مال غنیمت میں، خدا، رسول اور ذو القربیٰ کے جو حصے قرار دیے تھے ان کو فوجی مصارف کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ضروری مصارف کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے۔ (کتاب الخراج ص ۱۲)

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے، مقام ربذہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد)

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ ضعف و پیری و ہجوم افکار کے باوجود خودی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے تھے

اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مہم کے لئے مقام جرف میں فوجیں مجتمع ہوئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ انھوں نے ہر ایک کو مرحبا کہا۔ ان لوگوں نے عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے تھے اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ فرمایا ''خدا تمھاری ہمت و ارادہ میں برکت دے، لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے''۔ اس پر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا ''ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ڈانٹ کر کہا ''چپ احمق! تجھ سے ہر ایک عبسی اچھا ہے''۔ بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے، مگر انہیں بھی ڈانٹ کو خاموش کر دیا۔ غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔ (ایضاً)

بدعات کا سدِ باب

تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصل وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں بانیان مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیاں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں اگر چہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انھوں نے اس کو مٹا دیا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ احمس کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی انھوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ''یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو''۔ اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے ابو بکر۔

خدمت حدیث

حضرت ابو بکرؓ صدیق کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں جمع فرمائی تھی، لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی خلاف واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا۔ لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا

انکم تحدثون عن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) احادیث یختلفون فیھا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شئیا فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ

وحرموا حرامہ۔

''تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی اختلاف رکھتے ہو تمھارے بعد جو لوگ آئیں گے تو ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہوگا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہ کرو، اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان خدا کی کتاب ہے اسکے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو''۔

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ انھوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کر دیا بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو روایت نہ کرنا چاہیے، چنانچہ وہ خود بھی اس عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی پوری تصدیق ہو جاتی تو بغیر پس وپیش اس کو قبول فرما لیتے تھے۔ ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا۔ چونکہ قرآن مجید اس کے متعلق خاموش ہے اس لیے آنحضرت ﷺ کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ موجود تھے۔ انھوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے احتیاطاً پوچھا ''کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو''؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳)

بعد کو حضرت عمرؓ نے اس وصول سے زیادہ کام لیا۔ آپ کے قبول حدیث کے اور بھی واقعات ہیں

-

محکمہ افتاء

حضرت ابوبکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق بمقصد عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت جو اپنے علم واجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ ص ۱۰۹)

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

اشاعت اسلام

نائب رسول اللہ ﷺ کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ واشاعت ہے، حضرت ابوبکرؓ کو اس کار خیر میں شروع سے جو غیر معمولی انہاک تھا اس کا ایک اجمالی تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں اسی خورشید صداقت کے پرتو ضیا سے منور ہوئے ہیں، خلافت کا

بار آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہاک زیادہ ترقی کر گیا۔ تمام عرب میں پھر نئے سرے سے اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں فوجیں روانہ فرمائیں انہیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اس دعوت کو پھیلائیں۔ کیونکہ وہ قومی یک جہتی کے باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ کی مساعی جمیلہ سے بنی وائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید کی دعوت پر عراق، عرب اور حدود شام کے اکثر عربی نے لبیک کہا۔

جبرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود اسلام قبول کیا یمن میں اشعث اور اس کے رفقاء نے پھر تجدید اسلام کی۔ اسی طرح طلیحہ جو مدعی نبوت تھا حضرت خالد بن ولید کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے اور اس کا اقرار کیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵)

فهل يقبل الصديق انى مراجع

ومعط بما احدثت من حدث يدى

''کیا حضرت ابو بکر صدیق اسکو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آؤں اور میرے ہاتھوں نے جو گناہ کئے ہیں ان کی تلافی کروں''

وانى من بعد الضلالة شاهد

شهادة حق لست فيها بملحد

اور گمراہی کے بعد میں گواہی دیتا ہوں، ایک ایسی سچی گواہی کہ میں اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں''

اس اعتذار و اقرار ایمان سے حضرت صدیقؓ کا آئینہ دل طلیحہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی لیکن وہ اس وقت پہنچا جب کہ آفتاب صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو چکا تھا۔ (ایضاً)

رسول اللہ ﷺ کی طرف ایفائے عہد

رسول اللہ ﷺ کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کو پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اولین فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحرین کی فتح کے بعد اس کا مال غنیمت پہنچا، انھوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالتمآب ﷺ کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو تو یا آپؐ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تین دفعہ ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ

دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا۔ (بخاری ج اص ۳۰۷)

نیز حضرت ابوشبیر مازنی کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے۔ (طبقات ابن سعد)

رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور متعلقین کا خیال

باغ فدک اور مسئلہ خمس کے منازعات نے گو رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی۔ خصوصاً حضرت فاطمہ کو اس کا رنج تھا۔ تاہم خلیفہ اول نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدۂ جنتؓ سے عفو خواہ ہو کر ان کے آئینہ دل کو صاف کر دیا۔ (طبقات ابن سعد)

امہات المومنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت ﷺ کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا عکرمہ بن ابوجہل نے حضرت موت میں آنحضرت ﷺ کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کر لیا تو انھوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلا دیں، لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا، وہ حرم میں داخل نہیں ہوتی تھیں اس لیے امہات المومنین میں انکا شمار نہیں ہو سکتا۔ (اسد الغابہ تذکرہ قتیلہ بنت قیس)

آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے لیے وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ کا خاص لطف و کرم رہتا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا خیال رکھا۔ آنحضرت ﷺ اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ (استیعاب تذکرہ ام المومنین)

حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اسی طرح سندر نام ایک غلام کو آپؐ نے آزاد کر کے فرمایا تھا کہ تیرے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو ان کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا اور تاحیات اس کو جاری رکھا۔ (ایضاً تذکرہ سندر)

ذمی رعایا کے حقوق

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیرؤوں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیے گئے تھے حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر و دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی۔ اسی طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیے گئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے یہ الفاظ تھے۔

لا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة ولا قصر من قصورهم التي كانوا يتحصنون اذا نزل بهم عدو لهم ولا يمنعون من ضرب النواقيس ولا من

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائیگا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہو جاتے ہیں، ناقوس (اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہوگی، اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے"۔

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے، یہاں صرف یہی جملے نقل کئے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خلیفۂ اوّل کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کئے گئے تھے۔ معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائیگا۔ نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا۔ (ایضاً ص ۷۲)

کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی، رعایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

فضائل و مناقب

بارگاہ نبوت میں رسوخ

حضرت ابوبکرؓ صدیق محبوب بارگاہ ومحرم اسرار نبوت تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ روزانہ صبح، شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور اس کی مدینہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانۂ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے تین اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو کیا، لیکن وہ خود دیر تک بارگاہ نبوت سے واپس نہ آسکے۔ جب رات زیادہ گزر گئی اور گھر آئے تو معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا، اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے۔ (بخاری کتاب الادب باب قول الضیف انا کل حتیٰ تا کل، کتاب المناقب باب علامۃ النبوۃ قبل اسلام)

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات رات بھر حضرت ابوبکرؓ صدیق سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، نیز ان کی رازداری وخلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے۔ ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا تمام کام صرف حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل وعیال سے متعلق تھے، حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا حضرت عبداللہ کا رات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فہیرہؓ کا روزانہ

بکریاں لانا، حضرت اسماء کا کھانا پہنچانا۔ غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا، وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھے۔ حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے اس رفیق جاں نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا، اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی اس میں ارشاد ہوا۔ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

"ابو بکر اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے"۔ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ)

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابو بکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیے جائیں گے۔ (ایضاً)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا، ابو بکرؓ

اسی غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بناء پر صحابہ کرامؓ جب آنحضرت ﷺ کو برہم دیکھتے تھے تو ان ہی کی وساطت سے عفو و درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابو جہل ابن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ چونکہ یہ سرور کائنات ﷺ کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو دیکھا تو چہرہ مبارک ہشاش بشاش ہو گیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو صحابہ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا۔ تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔ بالآخر سب نے حضرت ابو بکرؓ کو آگے بڑھا دیا، اور انھوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ جو دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے۔ اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی وہ مقبول ہو کر رہی۔ رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو کبھی ظاہر ہونے نہ دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حفصہ کا پیغام دیا، سن کر خاموش رہے اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا "شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی۔ بولے کیوں نہیں؟ فرمایا "میں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کرسکتا

تھا۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر)

غرض ان ہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہِ نبوت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ اور بار سوخ بنا دیا تھا۔

علم وفضل

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے گو یا کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودت طبع اور دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی سے آ مان فضل وکمال پر مہر ودرخشاں ہو کر چمکے۔ فصاحت وبلاغت میں کمال رکھتے تھے۔ ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا، لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا۔ کبھی کبھی جذبات وخیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہوگئی۔ بے اختیار ان کو گود میں اٹھالیا اور فرمایا (مسند احمد ج اص ۸)

وبأ

بی

شبه

النبی

لیس

شبها

بعلی

''میرا باپ فدا ہو نبی سے مشابہ ہے علی سے مشابہ نہیں ہے''

ذوقِ سخن

اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت وجلالت کا ذکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لبید نے مصرعہ پڑھا (الاکل شئی ماخلا اللہ باطل) یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں، تو فرمایا ''تم نے سچ کہا'' لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا (وکل نعیم لامحالۃ زائل) یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی تو بولے ''غلط ہے خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴)

حالت نزع میں حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

من لا یزال

دمعه مقعا

فاده فی موة

مــد فــوق

فرمایا نہ کہو بلکہ کہو

وجات سکرۃ الموت بالحق ذلک ماکنت منه تحید (ق ۱)

''موت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے''

انھوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا

وأبیض یستسقی الغمام

بــــوجهـــــه

ثمال الیتامی عصمة للار

امــــــل

''گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا ملجا''

بولے یہ رسول اللہ ﷺ کی شان تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۲۔۸۱)

تقریر وخطابت

تقریر وخطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں وہ اوپر گزر چکی ہیں اس سے برجستگی اور زور کلام کا اندازہ ہوگا۔ ان معرکۃ الآرا تقریروں کے علاوہ ان کی عام تقریریں بھی نہایت پر اثر ہوتی تھیں۔ ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں

این الوصاة الحسنة وجوههم المعجبون بشبابهم این الملوک الذین بنو المدائن وحصنوها این الذین کانوا یعطون الغلبة فی مواطن الحروب قد تضعضع ارکانهم حین اخنی بهم الدهر واصبحوا فی طبقات القبور الوحا الوحا النجا النجا (ایضاً ص ۱۰۱)

''آج وہ حسین اور روشن اور نور شباب سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کے بسانے والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے غالب آنے والے مرد میدان سورما کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان کی قوتیں پست کر دیں اور ان کے بازو توڑ دیے اور قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے سو

گے"۔

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمائیں" میں جس جگہ کھڑا ہوں۔ گذشتہ سال خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، یہ کہہ کر زار وقطار رونے لگے۔ اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلوگرفتار ہو گئے۔ (مسند ج اص ۲،۳)

نسب دانی

علم الانساب یعنی قبائل کا نام ونسب یاد رکھنا، اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا حضرت ابوبکرؓ صدیق اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ جو طبقہ اصحاب میں سب سے بڑے نساب گزرے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا ہے جو نسب دانی کی حیثیت سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰)

حضرت ابوبکرؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا۔ آغاز نبوت میں آنحضرت ﷺ واشاعت کے لئے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تو عموماً یہ بھی ہم رکاب ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ ﷺ لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت قریش کی ہجو کیا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر کہا" تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا ابن عم ہے"۔ انہوں نے کہا" خدا کی قسم میں حضورؐ کو ان سے علیحدہ کر لیتا ہوں جس طرح جو خمیر سے الگ ہو جاتا ہے" ارشاد ہوا کہ ابوبکرؓ کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔ غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ (استیعاب ج اص ۱۴۸)

تعبیر رؤیا

خواب کی تعبیر میں بھی خداداد ملکہ تھا یہاں تک کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے بعد ان کو سب سے بڑا معتبر سمجھتے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ" وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں۔ اسی اثناء میں سرور کائنات ﷺ تشریف لاتے ہیں اور ان کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں"۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اس خواب کو سنا تو فرمایا" خالد تمہیں اس ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے، تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۴۸)

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرہ میں گرتے دیکھے۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو اس وقت خاموش رہے لیکن جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور ان کے حجرے میں مدفون ہوئے تو فرمایا " عائشہؓ تمھارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے (موطا امام مالک ص ۱۸۰)۔

آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا رویا بیان کر کے انھیں تعبیر کا حکم دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھیڑوں میں بہت سی مفید رنگ کی بھیڑیں شامل ہو گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انھوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! سیاہ بھیڑ اہل عرب ہیں جو پہلے آپ کے متبع ہوں گے۔ پھر نہایت کثرت کے ساتھ عجمی جو سفید بھیڑوں کے رنگ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ اسلام قبول کر کے ان میں شامل ہو جائیں گے" ارشاد ہوا صحیح ہے۔ فرشتہ آسمان نے بھی یہی تعبیر کی تھی۔ (تاریخ الخلفا ص ۱۰۴)

علم تفسیر

حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ سفر حضر، خلوت وجلوت، جنگ وصلح غرض ہر موقع پر مہبط وحی الہام ﷺ کے شرف صحبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت ﷺ کے خاص مشیر تھے۔ اس لئے اسلامی علوم وفنون میں بھی قدرۃً ان کا پایا سب سے بلند تھا۔ کلام اللہ اسلام کا اصل اصول ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کو اس سے غیر معمولی شغف تھا۔ عموماً رسول اللہ ﷺ سے آیات قرآنی کی تفسیر پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے"؟

لیس با مانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءً یجزبہ (نساء۔ ۱۸)

" (فلاح عاقبت) نہ تمھاری آرزو پر (موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی آرزو پر (بلکہ) جو برا کام کریگا وہ اسکی جزا پائیگا"۔

کیا درحقیقت ہم برے کام کا بدلہ پاتے ہیں؟ ارشاد ہوا "ابوبکر! خدا تمھاری مغفرت کرے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے، کیا تمھیں کوئی رنج، صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمھیں کوئی مصیبت نہیں ستاتی؟ بولے کیوں نہیں، فرمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے۔ (ابن جریر طبری ج ۵ ص ۱۷۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷۴)

وہ ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے۔ نیز مختلف موقعوں پر انھوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں۔ اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا "صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے"

یا ایہا الذین امنوا الیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم (مائدہ ۱۴)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر (صرف) تمھارے نفس کی ذمہ داری ہے جو تم پر ہو گیا ہے وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو"۔

حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر کو دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لئے عام ہو جاتا ہے۔ یعنی اس آیت سے یہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں۔ (ابن جریر ج ۷ ص ۹۰)

اس آیت قرآنی اس استدلال، استنباطِ احکام و تفریع مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں برجستہ اس آیت سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبا م علی اعقابکم (آل عمران ۱۴)

"یعنی محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر گئے، کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے"۔

اس آیت نے یکا یک ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا طبیب بلائیں۔ چونکہ مسئلہ تقدیر پر بہت شدت کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے، بولے "طبیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے (انی فعال لما یرید) یعنی ارادۂ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا"۔ (ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۴۱)

حدیث

حضرت ابوبکرؓ صدیق چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف سوا دو برس زندہ رہے، اس لئے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ علاوہ اس کے اس وقت تمام حاشیہ نشینیان بساطِ رسول اللہ ﷺ بقید حیات تھے جن کی نگاہوں سے عہد نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی اس بنا پر کثرت روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا تاہم انھوں نے جانشین رسول اللہ کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے خاص طور پر شہرت دی۔ مثلاً نصاب زکوۃ کا مفصل نامہ تمام ملک میں شائع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفہ اول ہی کی معلومات نے مسلمانوں کی رہبری کی سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے انھی نے "الائمۃ من قریش" کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے مدفن کا سوال پیدا ہوا صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کی جائے

وفات ہی ان کا مدفن ہے ۔ (موطا امام مالک ۸۰)

حضرت فاطمہ ﷺ اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائداد میں میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق نے یہ حدیث پیش کی

لا نورث ما ترکنا صدقۃ

"یعنی ہمارے مال میں وراثت جاری نہ ہوگی اور ہمارا تمام متروکہ وقف ہے"

بعد کو دوسرے صحابہ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ۔ غرض وہ دربار نبوت میں اپنے مخصوص تقریب کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے ارشادات طرز عمل اور ان کے اسباب وعلل سے قدرتاً زیادہ باخبر تھے ۔

امامت اور اجتہاد

امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پرتو ہے تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے ۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ معصوم تھے نیز خدا نے کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا اور میں ایک معمولی انسان ہوں اس لیے اگر تم مجھے راہ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج راہ ہو جاؤں تو سیدھا کرو ۔ (مسند احمد ابن حنبل ج اص ۱۴ و تاریخ الخلفاء ص ۶۸)

حضرت ابو بکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عموماً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات و حقوق سے کام نہیں لیا ۔ جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں ۔ ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے ۔ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے ان کے تیور دیکھ کر عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ اس کی گردن اڑا دیجئے ۔ حضرت ابو بکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہو گئے ۔ کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو برزہؓ کو بلا کر پوچھا "اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار ڈالتے ؟" بولے "ہاں" فرمایا "خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے" ۔ (ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ)

اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا کہ مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو ، میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول ہوں اور یہی میرے لیے بس ہے

۔ (استیعاب تذکرہ ابو بکرؓ)

اصول اجتہاد

رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط احکام و تفریع مسائل کی ایک شاہراہ قائم کرنا اور مذہبی فتوؤں کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا ۔ خلیفہ اول نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعت غراء کا سنگ اساس ہے ۔ چنانچہ نصوص شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی

ذات گرامی سے ظہور میں آیا۔ مسند دارمی میں ہے۔(مسند دارمی باب الفتیا ما فیہ من الشدۃ)

کان ابو بکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینہم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسئال المسلمین

''حضرت ابو بکرؓ کی عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق اس میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور جب اس سے بھی مطلب برآری نہ ہوتی تو مسلمانوں سے سوال کرتے''۔

قیاسی مسائل سے خوف

قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا نا معلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں تو کون سی زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا۔(طبقات ابن سعد ج ۳ قسم ا ص ۲۶)

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ نا معلوم مسائل میں ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا، تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے۔

ایک دفعہ ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس کے متعلق نہ قرآن میں کوئی تصریح تھی نہ آنحضرت ﷺ کے طرزِ عمل سے مدد ملتی تھی، مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا''۔ یہ میری رائے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، میں خدا سے طالب مغفرت ہوں''۔

ایک قیاسی مسئلہ

حضرت ابو بکر صدیق کے قیاسی مسائل میں سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے، ہم اس کو بالتفصیل درج کرتے ہیں، اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ میں صرف دادا اور بہن بھائی چھوڑے یعنی اصول میں باپ اور فروغ میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وارث کون ہوگا؟ دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابو بکرؓ صدیق اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ شامل ہیں، دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دے کر بھائی بہن کو محجوب الارث سمجھتے تھے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک ولیس لہ ولد ولہ اخت

فلها نصف ماترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد (نساء ۱۷۶)

"لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترکہ سے آدھا ملے گا اور بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا"۔

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے، تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے کہ کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور اس آیت سے استدلال لاتے ہیں۔

وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس (نساء ۱۲)

"اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے (اصول فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری ماں سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا"۔

اس آیت میں ملاتی بھائی بہنوں کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں بالاتفاق کلالہ کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول و فروع میں کوئی نہ ہو یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو کلالہ نہ ہوگا اور ملاتی بھائی محجوب الارث ہوں گے۔ اس بناء پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلالہ کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں قائم رہے اور بلا وجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے۔ (بخاری کتاب الفرائض باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ میں اس کی تفصیل ہے)

اخلاق و عادات

حضرت ابوبکر صدیقؓ فطرۃً اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔ ایام جاہلیت میں عفت و پارسائی، رحمدلی، راست بازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دہیت کی تمام رقم ان ہی کے پاس جمع ہوتی تھی، شراب نوشی فسق و فجور گو اس زمانہ میں عالمگیر تھا تاہم اس کا دامن عفاف کبھی ان دھبوں سے داغدار نہیں ہوا۔ فیاضی، مفلس و بے نوا کی دستگیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدوں کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام محاسن و محامد ان میں پہلے سے موجود تھے، شرف ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

تقویٰ

ورع و تقویٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے معدن اخلاق کا سب سے درخشاں گوہر ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا اس راہ میں ایسے آوارہ منش و بدمعاش

رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے۔ یہ سننا تھا کہ زمیں نے پاؤں پکڑ لئے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے "میں ایسے شرمناک راستہ سے نہیں جا سکتا"۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۳۲)

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر پیش کی۔ جب تناول فرما چکے تو انھوں نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ یہ کس طرح حاصل ہوا"؟ فرمایا "بیان کرو"۔ بولے "میں نے جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی۔ فال کھولنا تو جانتا نہ تھا صرف اس کو دھوکہ دیا تھا آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ میں یہ کھانا دیا"۔ یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا 'قے' کر دیا۔ (بخاری باب بنیان الکعبہ ج ا ص ۵۴۲)

فرمایا کرتے تھے کہ جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے جہنم اس کا بہترین مسکن ہے"۔

حضرت عائشہؓ کے گھر میں عید کے روز انصار کی دولڑکیاں جنگ بعاث کے تاریخی اشعار گا رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ منہ پھیر کر فرش پر استراحت فرما تھے، اسی حالت میں ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے۔ ان کے کمال اتقاء نے اسی بھی پسند نہ کیا حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ کر بولے "رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مزمار شیطان؟ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابو بکر انہیں گانے دو، ہر قوم کے لئے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے"۔ (ایضاً کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام ص ۱۳۰)

انسان کا کمال اتقاء یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضاء وجوارح اعمال شنیعہ وافعال ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہیں اور اس کا دل تخیلات باطلہ سے محترز رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی زبان بھی کبھی کلمات نا ملائم سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ حضرت ابو بکر صدیق کا ورع وتقویٰ اسی منتہائے کمال پر تھا کہ درشت ونا ملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً غیظ وغضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت وپشیمانی ہوتی اور جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی چین نہ آتا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ سے کوئی نزاع درپیش تھی، اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ نکل گیا۔ لیکن خود ہی ندامت دامن گیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی اسی وقت دامن اٹھائے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی۔ ابو بکرؓ خدا تمھیں بخش دے گا۔ ابو بکرؓ خدا تمھیں بخش دے گا۔ ابو بکرؓ خدا تمھیں بخش دے گا۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھ کر حضور پر نور ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی "یا

رسول اللہ! خدا کی قسم! میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی۔ اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرو ہو گئی" تاہم ارشاد ہوا "میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا، لیکن ابو بکرؓ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے"۔ (بخاری کتاب المناقب باب قسلل النبی لوکنت متخذا خلیلا ج ا ص ۵۱۶)

حضرت ربیعہ بن جعفرؓ اور حضرت ابو بکرؓ میں ایک درخت کے لئے باہم اختلاف ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی جملہ ایسا کہہ دیا جو کہ ان کو ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے "ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہہ دو"، انھوں نے انکار کیا تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ربیعہ بھی ساتھ تھے۔ حضور انور ﷺ نے مفصل روداد سن کے فرمایا "ربیعہ! تم کوئی سخت جواب نہ دو، لیکن یہ کہہ دو، "غفر اللہ لک یا ابا بکر۔ یعنی ابو بکر خدا تمھیں معاف کر دے۔" حضرت ابو بکرؓ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ زار و قطار رو رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۸)

زہد

امارت، دنیا طلبی و جاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی۔ خلافت کا بار گراں بھی محض امتِ مرحومہ کو تفریق و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لئے اٹھالیا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے متمنی نہ تھے، انھوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرما دی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز و ثالث ص ۱۵۰)

حضرت رافع طائیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں، مجھے کچھ وصیت فرمائیں، بولے "خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، زکوۃ دو، حج کرو، اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت و سیادت نہ قبول کرو، دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہو گا اور فردِ عمل زیادہ طویل ہو گی"۔

ایک مرتبہ انھوں نے پینے کے لئے پانی مانگا، لوگوں نے پانی اور شہد لا کر پیش کیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے، بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی، بولے ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کسی چیز کو دور رہو کہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ کیا چیز ہے جس کو

دور فرما رہے ہیں؟ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ ارشاد ہوا کہ "ظاہر فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اس کو دور کر دیا"۔ اس وقت یکایک یہ واقعہ یاد آ گیا اور ڈرا کہ شاید اس کے دامِ تزویر میں پھنس جاؤں"۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷)

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دی، یہاں تک کہ زمانہ خلافت میں ان پر بیت المال کا چھ ہزار روپیہ قرض چڑھ گیا لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لئے چھوڑ جانا گوارہ نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمرؓ بن خطاب کے پاس بھیج دی جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں۔ ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں اسی وقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ خلیفہ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے۔ رو کر بولے "ابو بکرؓ خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۳۷)

تواضع

نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا۔ آخر بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے اور محلّہ والوں کی بکریاں دودھ دیتے تھے۔ چنانچہ منصب خلافت کے لئے جب ان کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلّہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا "اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟ حضرت ابو بکرؓ نے سنا تو فرمایا خدا کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا، امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۳۷)

حضرت ابو بکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا "یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہاں؟ بولے بازار"! انھوں نے کہا "اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں، چلیے ہم آپ کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے"۔ (ایضاً)

لیکن بخاری کی روایت ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر سکے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب مسلمانوں کے کام میں مصروف ہو گیا ہوں اس بنا پر آل، ابو بکر اس مال میں سے کھائیں گے اور مسلمانوں کے لئے تجارت کریں گے۔ صحابہؓ نے اسے منظور کر لیا۔ (بخاری کتاب الاحکام باب رزق الحکام

والعالمین حبیبا)

دارالخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ضعیف و کبرسنی کے باوجود دور تک پا پیادہ ساتھ جاتے۔ اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے "اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دور تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں"۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہِ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں، خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے" (طبری ص ۱۸۵۰ مسند دارمی فصل الغبار فی سبیل اللہ)

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی تو فرماتے مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے۔ کوئی مدح و ستائش کرتا تو فرماتے "اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر" (اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷)۔

نہایت تواضع سے تکبر و غرور کی علامت سے بھی خوف زدہ ہو جاتے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے چلتا ہے، قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی "میرا دامن بھی کبھی لٹک جاتا ہے"۔ ارشاد ہوا "تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے"۔ (بخاری کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ)

انفاق فی سبیل اللہ

مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے۔ روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدت گرسنگی میں خوان نعمت ہے، لیکن آسودگی میں الوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنی جان و مال سے رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی ہے ان کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا

"تم میں وہ لوگ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنھوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور لڑے"۔ (سورۂ حدید۔ رکوع ۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ انھوں نے

یہ تمام دولت راہ خدا میں صرف کردی۔ (ابن سعد جزء سوئم اول ۱۲۳)

آنحضرت ﷺ نے بارہا اس فیاضی کے برمحل ہونے کا اعتراف فرمایا

ما نفعنی مال احد قط ما ''ابوبکر کے مال سے زیادہ کوئی مال

نفعنی مال ابی بکر میرے لئے مفید نہ ہوا۔''

(کنز العمال ص ۳۱۶ ج ۲)

اسی فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالتماب ﷺ جب بطور تشکر وامتنان فرماتے

انہ لیس من الناس احد امن علی ''یعنی جان، مال کے لحاظ سے مجھ پر پورا ابوبکر

فی نفسہ ومالہ من ابی بکر سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ''

(کنز العمال ج ۲ ص ۳۱۶)۔

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ''یا رسول اللہ ﷺ! جان، مال سب حضور ہی کے لئے ہے''۔

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعی توحید ﷺ کو لبیک کہا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ستم میں گرفتار تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا جن میں بعض کے نام یہ ہیں بلالؓ، عامر بن فہیرہ، نذیرہ، جاریہ بنی مومل، نہدیہ، بنت نہدیہ وغیرہم۔

حضرت ابوبکر صدیق صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بارہا مسابقت کی کوشش کی۔ لیکن وہ کبھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ آج ابوبکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے۔ چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے کر آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے

اہل وعیال کے لئے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے ''اسی قدر'' لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے۔ ان سے جب سوال کیا تو انھوں نے عرض کی، ''ان کے لئے خدا اور اس کا رسول ہے''۔ اس ایثار وقربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں۔ بولے اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔ (ترمذی مناقب ابی بکرؓ)

صدقات میں اخفاء واظہار دونوں جائز ہیں ''ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیرلکم''۔ لیکن اظہار میں ریاء وتفاخر کا امکان ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ صدقات میں اخفاء کا لحاظ رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام کائنات خدا کی امانت وودیعت ہے، چنانچہ ایک

دفعہ نہایت مخفی طور صدقہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۷)

حضرت ابو بکرؓ صدیق کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لئے ایک خمس کی وصیت فرما دی۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

خدمت گزاریٔ خلق

خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اکثر محلّہ والوں کا کام کر دیتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتوان اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اطراف مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ روز علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے کا اس کار ثواب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ ایک روز بہ نظر تفتیش کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا خلیفہ اول یعنی حضرت ابو بکرؓ صدیق اس ضعیفہ کی خدمتگزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں۔ بولے انت العمری یا خلیفۃ رسول اللہ! قسم ہے کہ کیا روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں؟ (ایضاً ج ۶ ص ۳۱۲)۔

مذہبی زندگی

حضرت ابو بکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، دن کو اکثر روزے رکھتے، خصوصاً موسم گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا۔ خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ خوف محشر اور عبرت پذیری سے دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لئے سرمایۂ عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے کاش! میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہِ سرد کھینچ کر فرماتے "پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش ابو بکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲)

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دلی اور رقت قلب کے باعث بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ "اداہ منیب ان کا نام ہو گیا تھا"۔

نیکوکاری حصول ثواب کا کوئی موقع ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ

کرامؓ سے پوچھا" آج تم میں سے روزہ سے کون ہے؟" حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی "میں ہوں"۔ پھر فرمایا" آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟" کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے؟ اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟ ان سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا" جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا"۔ (مسلم فضائل ابی بکرؓ)

خانگی زندگی

حضرت ابو بکرؓ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کو سپرد کر دی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لئے ان کو بلا کر فرمایا" جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمھیں دی ہے، اس میں تم اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو شریک کر لو"۔ (ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۳۸)

انہوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی

نہایت مہمان نواز تھے، چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ ان کے مہمان تھے۔ انھوں نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ عبدالرحمٰن نے حسب ہدایت ان کے سامنے ماحضر پیش کیا۔ انھوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے حضرت ابو بکرؓ صدیق بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں۔ اپنے صاحبزادہ پر نہایت برہم ہوئے اور برا بھلا کہا اور فرمایا" واللہ! میں آج اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا"۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے"۔ آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا"۔ مہمانوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا" خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے، ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے"۔

غرض اس طرح غصہ فرد ہو گیا اور دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (بخاری ج اول کتاب الادب

باب مایکرہ من العضب والحرج عند الضیف وباب قول الضیف بصاحب لا آکل حتی تاکل)

لباس وغذا

زندگی نہایت سادہ تھی، موٹے جھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے، دسترخوان بھی پرتکلف نہ تھا۔ خلافت کے بعد یہ سادگی اور ترقی کرگئی تھی۔ چنانچہ وفات کے وقت انھوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے معمولی سے معمولی غذا اور جھوٹے موٹے پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا کچھ نہیں ہے، میرے بعد یہ تمام چیزیں عمرؓ بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا''۔ (طبقات ابن سعد ق اج ۳ ص ۱۳۹)

حضرت ابوبکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کردی تھی اس لئے عسرت و ناداری کے باعث بارہا دو، دو، تین، تین وقت فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا۔ فرمایا میں بھی تمھاری طرح سخت بھوکا ہوں''۔ حضرت ابوالہیثم انصاری کا معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی''۔ (موطا امام مالک ص ۳۷۱)

ذریعۂ معاش

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، فرماتے ہیں کہ ''میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا''۔ عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور مال تجارت کے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح)

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرۃً ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گیا۔ اس بنا پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اہل وعیال کے کپڑے اور کھانا مقرر کر دیا۔ (طبقات ق اج ۳ ص ۱۳۰)

حضرت ابوبکرؓ نے اس کو منظور کر کے فرمایا

''قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابوبکرؓ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور ان کا کام کرے گا''۔ (بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ج اص ۲۷۸)

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں، جب وہ پرانی ہو جاتی

تھیں تو انہیں واپس کر کے دوسری لیتے تھے۔ سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا اس کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے خرچ لیتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۱۳۱)

جاگیر

آنحضرت ﷺ نے ان کو خیبر میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی اس کے علاوہ انھوں نے اطراف مدینہ اور بحرین میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۱۳۸)

حلیہ

حضرت ابوبکرؓ نہایت نحیف و لاغر اندام تھے۔ چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گوں تھا۔ پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازواج و اولاد

حضرت ابوبکرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں

قتیلہ یا قتلہ ان سے حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں۔

ام رومان یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ و حضرت عبدالرحمان کی ماں تھیں۔

اسماء ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔

حبیبہ بنت خارجہ حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم ان ہی کے بطن سے تھیں۔